فلسطینی عمل داری میں سیاست اور تشخیص آبادی

تحریر: ایمنن کارٹن اور آئزک شنیل *
ترجمہ: کامران سرفراز بیگ

اسرائیلی حکومت میں دیگر امور کے علاوہ تشخیص آبادی سے متعلق مسائل کے حوالے سے اس نئی آگہی اور تخمینوں سے کہ سمندر اور دریائے اُردون کے درمیان ناگزیر فلسطین میں اکثریتی آبادی فلسطینیوں کی ہوگی، نئی عسکری سوچ کو تقویت مل رہی ہے۔ اس نقطہ نگاہ سے فلسطینی آبادی تین فیصد کی شرح سے بڑھ رہی ہے جبکہ یہودی آبادی میں نسبتاً سست روی یعنی دو فیصد سالانہ شرح سے اضافہ ہو رہا ہے۔ یوں یہودی آبادی کا تناسب کم ہوکر ۲۰۲۰ء میں چالیس فیصد ہو جائے گا۔ کچھ لوگ یہ موقف رکھتے ہیں کہ ایسی صورت میں اسرائیل کے لیے اس کا مطلب یہودی صیہونی اور جمہوری ریاست کی حیثیت سے سزائے موت ہوگا۔ یاسر عرفات کی جولائی ۱۹۸۷ء کی تقریر نے، جس میں انہوں نے خواتین کو حیاتیاتی بم'' سے تعبیر کیا ہے، اس احساس کو اور بھی بھڑکایا۔ دوسرے لفظوں میں شرح آبادی میں اضافے کے مسئلے نے قومی ٹکراؤ اور عوامی مناظرے کی شکل اختیار کرلی ہے۔

سوفر جیسے مفکرین اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اسرائیل خود کو دیواروں اور باڑوں کے پیچھے محفوظ کر کے گنجان آباد مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی کو اس بنیاد پر خالی کردے کہ اس پر فلسطینیوں کا پیدائشی حق ہے۔ اس قسم کی علیحدگی اسرائیل کو اقلیت بن جانے کے خوف، فلسطینی آباد کار محنت کشوں کے

---

* ایمن کارٹن، تل ابیب یونیورسٹی کے شعبۂ جغرافیہ وانسانی ماحول میں لیکچرار ہیں۔ اسحاق شنیل تل ابیب یونیورسٹی میں شعبہ جغرافیہ کے پروفیسر ہیں۔ زیرِ مطالعہ مضمون Israel Affairs, Vol. 13, No.1, January 2007 میں Demography and Politics in the Palestinian Authority کے عنوان سے شائع ہوا۔

سیلاب، آباد کار ومحنت کشوں کے مراجعت پر مبنی رہائشی منصب کے مطالبے، جرم اور عرب اسرائیلی آبادی کے تناسب پر اثرات جیسے خطرات سے بچائے گی۔

تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کے لیے کم از کم معیار زندگی یقینی بنانے کے لیے فلسطینیوں کی نااہلی سے اور بھی شدت آئے گی، اس اسلامی خطرے سے بچاؤ کے لیے حفاظتی دستوں کو مناسب حفاظتی نظام کے تحت لانا ہوگا۔ سوفر کے اخذ کردہ نتائج کے مطابق اسرائیل کی پالیسیاں یقینی بنائی جائیں تو ناگزیر فلسطینی آبادی میں بے تحاشا اضافے کا رُخ اُردون یا مصر کی جانب ہو جائے گا۔

اس مضمون کا مقصد نسبتاً محدود ہے۔ اس میں فلسطینی معاشرے پر تشخیص آبادی کے اثرات زیر بحث نہیں لائے گئے۔ البتہ اس میں اسرائیلی مفادات سے متعلق سوفر کے انکشافی آبادیاتی دلائل کو چیلنج کیا گیا ہے۔ اس میں بحث کی گئی ہے کہ آبادیاتی تبدیلی اگرچہ ممکن ہے مگر لگتا ہے کہ ایسا ایک مستحکم اور منظم فلسطینی ریاست کے قیام کی صورت میں ہی ممکن ہوگا۔ یہ دلیل فلسطینی ڈیموگرافی کے انداز اور دیگر مسلم ریاستوں سے متعلق تشخیص آبادی کے تقابل پر مبنی ہے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ ایک جامع ماڈل ابھی تک مقصود ہے جو یہ واضح کرے یا کم از کم پیشین گوئی کرے کہ آبادیاتی کردار تا حال مفقود ہے اور پچھلی دو دہائیوں میں کی گئی تحقیق سے مسلمانوں میں آبادیاتی تبدیلیوں پر اثر انداز ہونے والے عوامل کو ظاہر کرے، ڈیٹا کی عدم دستیابی اور نادرستی، مستند تشریحی تجزیے پر مبنی عمل کو کسی حد تک روکتی ہے مگر اب بھی چند نمایاں رجحانات کی نشان دہی کی جا سکتی ہے۔

بیس برس قبل تک کی اقتصادی ترقی سے قطع نظر عرب اور مسلم معاشروں میں شرح افزائش زیادہ رہی ہے۔ جبکہ حالیہ دہائیوں میں متعدد ممالک میں، جو سماجی و ثقافتی تبدیلیوں سے گزرے، شرح افزائش میں بنیادی کمی دیکھنے میں آئی ہے۔ زیر نظر مقالے میں بحث کی گئی ہے کہ اقتصادی اور آبادیاتی ترقی کا باہمی تعلق ہے اور یہ کہ فلسطینی دیگر عرب اور مسلمان معاشروں کی مانند معیار زندگی کو بہتر کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ علاوہ ازیں اس میں فرض کیا گیا ہے کہ اگر فلسطینی ان حکمت عملیوں کو اپنا لیں جو عرب ممالک میں کامیاب ثابت ہوئی ہیں تو ان میں فلسطینی آبادیاتی کردار کو تبدیل کرنے کی

اہلیت پائی جاتی ہے۔لہٰذا، مقالے کا اہم حصہ،عرب اور مسلم معاشروں میں آبادیاتی رجحانات پیش کرنے کے بعد، ان عوامل کا تجزیہ کرتا ہے جو بعض مسلم ممالک اور ان کے مقابلے میں ایسے غیر مسلم ممالک میں آبادیاتی تبدیلی کا باعث ہیں، جہاں تا حال شرح افزائش بلند ہے۔

ایشیا اور مشرق وسطیٰ کے مسلمانوں میں آبادیاتی تغیر

۱۹۶۰ء کی دہائی میں مشرق وسطیٰ کے ممالک میں کل اوسط شرح افزائش ۸۰-۱۹۷۰ء کی دہائی میں ۵ء۰ تھی جو ۲۰۰۲ء میں کم ہو کر ۳ء۳ ہو گئی۔سوائے یمن، سعودی عرب، اور فلسطینی عمل داری کی اقلیت کے، جہاں یہ شرح ۵ء۰ بچے فی خاتون رہی، اس رجحان میں مشرق وسطیٰ کے تقریباً تمام معاشرے شامل ہیں۔نظری اور تجرباتی پیشہ ورانہ لٹریچر کا تعلق ان متغیرات (Variables) سے ہے جو مسلمانوں اور ان کے ممالک میں شرح افزائش میں کمی کے رجحان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔لٹریچر کی اساس پر، تین عوامل خاص طور پر اہم ہیں: یعنی حکومتی حکمت عملی، سماجی و ثقافتی اقدار اور خواہشات اور ذاتی اہداف۔

پہلے عامل میں حکمت عملی پر مبنی منظم اقدامات شامل ہیں جو عوام کو خاندانی منصوبہ بندی کے پروگراموں بشمول مانع حمل ادویات اور آبادی بالخصوص خواتین کی تعلیم اور مراکز محنت تک رسائی کو بہتر کرنے میں مدد دے سکیں۔دوسرے میں ایسے عوامل شامل ہیں جن کا تعلق مشترکہ سماجی و ثقافتی سوچوں مثلاً معاشرے میں خواتین کا کردار، خاندان کی اکائی اور مذہب اور افزائش کے مابین تعلق، سے ہے۔ عوامل کے تیسرے گروہ میں فرد کی فکر کے شعوری پہلو یعنی 'سماجی انفرادیت' (جو ملازمت کے لیے بھرتی کو اجتماعی اہداف کی اہم قدر کی حیثیت سے دیکھتا ہے) سے خودستائی پر مبنی 'نفسیاتی انفرادیت' شامل ہیں۔

۱۹۷۴ء میں اقوام متحدہ کے پہلے کنونشن برائے آبادی منعقدہ بخارسٹ میں مشرق وسطیٰ کی بیشتر حکومتوں نے کسی بھی قسم کی خاندانی منصوبہ بندی اختیار کرنے سے پُرزور انکار کیا تھا۔ایک عشرے

سے بھی کم مدت میں، یہ حالت تبدیل ہونا شروع ہوئی اور تیونس اور مصر جیسے مما لک نے اپنی شرح افزائش کم کرنا شروع کی۔ اس سلسلے میں دستوری تبدیلیاں لائی گئیں مثلاً کثیر الازدواجی کی ممانعت کر کے اسقاط حمل اور مانع حمل ادویات تک رسائی کو آسان تر بنایا گیا، بچوں کی شرح اموات کم کرنے کے لیے خاندان کو وسیع تر طبی سہولیات کی فراہمی سے خواتین کے مرتبے میں تبدیلی واقع ہوئی۔ ان تبدیلیوں سے ایک نئے رجحان نے جنم لیا جو سُرعت کے ساتھ خطے کے بیشتر مما لک میں عام ہوا۔ گزشتہ چند برسوں میں کچھ ہی مما لک نے اپنے جامع قومی ترقیاتی پروگراموں کے ایک حصے کے طور پر خاندانی منصوبہ بندی کے پروگرام اختیار کرنے کی ممانعت جاری رکھی ہے۔ تاہم خطے کے بیشتر مما لک کی قیادت کو اس امر کا ادراک ہے کہ صحت اور تعلیم پر وسیع سرمایہ کاری اور خاندانی منصوبہ بندی کی حکمت عملی ایسے اقدامات ہیں کہ جس سے توقعات سے بڑھ کر مالی فوائد حاصل ہوں گے۔

ایک حالیہ مطالعے، جس میں انیس ترقی پذیر مما لک جن میں مصر، اردون اور تیونس بھی شامل تھے، کا جائزہ لینے پر یہ نتیجہ حاصل ہوا ہے کہ ان مما لک کی اقتصادی ترقی، خاص طور پر بارہ سالہ تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کی تعداد میں اضافے پر منحصر ہے۔ اس اضافے اور کم اجرتوں نے ترقی پذیر مما لک میں اقتصادی ترقی کے اہم ترین عوامل میں سے ایک یعنی غیر ملکی سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ پچھلی دہائی میں کی گئی بیشتر تحقیق، میں ایشیا اور مشرق وسطیٰ کے معاشروں میں اضافہ آبادی میں فطری طور پر کمی، شرح افزائش کم کرنے اور خصوصاً خواتین کے مرتبے سے متعلق سماجی اقدار جیسے سماجی اور ثقافتی تغیرات کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ اس شعبے کے اہم محقق گولڈ شیڈر نے سماجی ثقافتی متغیرات اور قدرتی اضافے کی شرح کے مابین تعلق کو موضوع تحقیق بنایا ہے۔ اسرائیل میں مختلف مذہبی گروہوں کے آبادیاتی رویوں پر اپنی تحقیق میں انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ اسرائیل میں مسلمان خواتین کے ہاں بلند شرح افزائش کی وجہ دراصل خاندان کی اکائی کی مرکزیت اور اس میں عورت کے مقام اور حالت سے متعلق مروجہ سماجی اقدار ہیں۔

گولڈ شیڈر کے مطابق اسرائیل کے مراکز محنت تک خواتین کی محدود رسائی مردوں پر اُن کے

انحصار کو بڑھا دیتی ہے مگر ماں کی حیثیت سے ان کے کردار کو مضبوط تر کر دیتی ہے۔ للہٰذا وہ عورت کو خاندان کی اکائی سے منسلک رہنے اور انہیں غالب اقدار والے نظام میں اپنا کردار ادا کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ تحقیقی مقالات کی کثیر تعداد اس دعوے پر متفق ہے کہ اسلامی معاشروں میں افزائش اور قدرتی اضافہ آبادی کی شرح میں کمی کے حوالے سے خواتین کی خودمختاری ایک اہم عامل ہے۔ اس تناظر میں اسلام کے ایک متغیرہ کی حیثیت سے کردار سے متعلق بعض پیچیدہ مسائل پیدا ہوتے ہیں مثلاً یہ کہ یہ پیدائش کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ اجتماعی تحقیقی کاوش سے حاصل شدہ نتیجہ یہ ہے کہ آبادیاتی عمل پر مذہب کا غالب اثر صرف ایک ہی جیسا نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس سے عرب اور دیگر مسلمان ممالک میں قدرتی اضافے کی وضاحت نہیں ہوتی۔

مذہب کا اثر ایک معاشرے سے دوسرے معاشرے تک بالخصوص معاشرے اور ریاست کے حوالے سے مذہبی اداروں اور شخصیات کے تناظر میں تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ ایک تقابلی مطالعے سے یہ عیاں ہوا کہ بہت سے معاملات میں مذہبی بے اختیار ادارے عموماً افزائش میں کمی کی حکمت عملیوں کے لیے عموماً قانونی جواز اور حمایت فراہم کرتے ہیں۔ حکومتی حکمت عملی کی اہمیت اور غالب متغیرات کی حیثیت سے سماجی اقدار کے ذریعے آبادی میں اضافے کی شرح میں کمی کے عمل سے معاشی ترقی کو بھی تقویت ملتی ہے۔ جب اقتصادی بدحالی کے شکار ممالک معاشی بہتری کے تجربے سے گزر رہے ہوں تو افزائش میں تنزل کو ایک فعال قومی معاشی پروگرام کے حوالے سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ تحقیق سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ جب اقتصادی افق واضح اور خوشحالی کے اسباب مہیا ہوں تو لوگ کم بچے پیدا کرنے سے متعلق فیصلے کے دوران اپنے افزائشی اہداف تبدیل کر لیتے ہیں۔

اسے عموماً قبول کر لیا گیا ہے کہ خواتین کی تعلیمی سطح سے یہ مسئلہ ڈرامائی طور پر جڑا ہوا ہے اور خواتین کا اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا، عالمی سوچ، معاشرتی رویوں اور زندگی کے تمام معاملات سے متعلق اعمال اور خیالات کو متاثر کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اس سے معاشرے اور خاندان میں خواتین کے مرتبے سے متعلق تبدیل شدہ سوچ سے، خاندانی منصوبہ بندی کے پروگراموں سے متعلق بڑھتی ہوئی

آ گہی، بچوں کی زندگی کے مواقع پر سرمایہ کاری کی ضرورت اوران کی اپنی ملازمتوں کے مواقع کی وضاحت بھی ہوتی ہے۔ اس کے باوجود متعدد 'مطالعات وتحقیقات' میں خواتین کی تعلیم اور شرح افزائش کے مابین منفی ارتباط (co-relation) پایا گیا۔ یوں یہ نتائج مکمل طور پر اہم نہیں رہتے۔ کیونکہ ایک مشاہدے کے مطابق اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین میں بھی شرح افزائش میں اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔ مشرق وسطیٰ کے ممالک میں مذکورہ تبدیلیوں کے باوجود ناخواندگی کی شرح، مساوی فی کس آمدنی کے ممالک کے مقابلے میں تاحال بلند ہے۔ ایسے بیشتر خواندہ افراد تین ممالک یعنی، مصر، عراق اور مراکش میں رہائش پذیر ہیں۔ ان میں سے نصف سے زیادہ خواتین ہیں۔

اس پس منظر کے برعکس بہت سے مسلمان ممالک میں، جہاں افزائش میں تنزلی کے مختلف تجربات سامنے آئے، چند نمائندہ طریقہائے عمل اور متغیرات کا جائزہ لیا جائے گا جن میں خواتین کی تعلیم، آبادیاتی تبدیلی کے عمل میں ریاست کا کردار، خاندانی منصوبہ بندی کی حکومتی حکمت عملی اور شرح افزائش کم کرنے سے متعلق پالیسیوں پر مذہبی اجارداروں کے تبصرے بھی شامل ہیں۔

پالیسی کے structural اور معاون اقدامات کے درمیان فرق، خاندانی پالیسی کے بارے میں بہت اہم ہے۔ اولاً وہ حکومتی اقدامات جو سوچ اور کرداری نمونوں کو تبدیل کرنے کے لیے اٹھائے گئے مثلاً نظام تعلیم کی تشکیل وترقی، خواتین کی اعلیٰ تعلیم کی حوصلہ افزائی، لڑکیوں کے لیے تعلیم کو قابل رسائی بنانا اور لازمی سکولنگ اور تعلیم کے لیے قانون سازی وغیرہ پالیسی کے عناصر ایسے ہی ہو سکتے ہیں۔

بنیادی تبدیلیوں میں تبدیل شدہ سوچوں کو قابل عمل بنانے کے لیے پالیسی اقدامات میں مانع حمل ادویات کے متعلق علم پھیلانا اور ان کے استعمال کی حوصلہ افزائی کرنا شامل ہیں۔ چند مخصوص مثالیں جہاں خاندان کو چھوٹا رکھنے کے عزم سے متعلق مختلف خیالات پائے جاتے ہیں، زیر مشاہدہ ہیں۔ نمائندہ ممالک میں اردن، سعودی عرب اور ایران شامل ہیں۔

اُردن

۱۹۷۹ء کی دہائی کے وسط سے اُردن میں کنبے کا اوسط سائز کم ہوا ہے۔ ۱۹۹۰ء کی دہائی کے

اختتام پر شرح افزائش ۷ء۳ بچے فی خاتون جبکہ ۱۹۹۰ء میں ۶ء۵ جبکہ ۱۹۷۶ء میں ۴ء۷ تھی۔ زیادہ تر کمی ۲۰ سے ۳۹ کی عمر کی اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین کے ہاں ہوئی۔ اُردن کے ماہرین آبادی، کل شرح افزائش میں کمی کو ۱۹۸۰ء میں پیش کی گئی خاندانی منصوبہ بندی کی حکمت عملی اور سماجی ترقی سے منسلک کرتے ہیں۔ کمی کا تعلق خاص طور پر شرح اموات میں کمی اور تعلیمی سطح کی بلندی سے بھی تھا۔ اسی میں بالخصوص خواتین میں، ترقی کا رجحان بھی ہے، جس میں حکومت نے مرکزی کردار ادا کیا ہے۔

۱۹۹۰ء سے حکومت خاندانی منصوبہ بندی کے بارے میں علم کے پھیلاؤ اور مانع حمل ادویات کے استعمال کے ذریعے بالخصوص قومی صلاحیت افزائش میں کمی کی پالیسی پر زور دے رہی ہے۔ ذرائع ابلاغ اور مذہبی شخصیات کی عوام میں مقبولیت کے باعث ان کی بات لائق اعتماد سمجھی جاتی ہے، اس لیے ان کے ذریعے خاندانی منصوبہ بندی کے روایتی نظریات کو مسترد کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ان اقدامات کے باعث ۱۹۹۰ء سے ۲۰۰۲ء تک مانع حمل ادویات استعمال کرنے والی خواتین کی شرح ۴۰ سے ۵۰ فیصد کے درمیان رہی۔

اکیسویں صدی کے آغاز میں شرح افزائش سے متعلق اعداد و شمار کے مآخذ مبہم ہیں۔ یہ ۴ء۵ سے ۵ء۷ ہیں۔ مختلف ذرائع سے حاصل ہونے والی معلومات کے باوجود ذیل کے جدول سے عیاں ہے کہ گزشتہ دہائی میں یقیناً شرح افزائش میں قدرے کمی واقع ہوئی ہے۔

منتخب مسلمان ممالک میں کل افزائش کی شرح کے رجحانات - جدول

۱۹۷۰-۷۵ء تا ۲۰۰۰-۰۵ء

ممالک	۱۹۷۰-۱۹۷۵ء	۲۰۰۰-۰۵ء	فیصد کمی ۱۹۷۰-۷۵ء سے ۲۰۰۰-۰۵ تک
اُردن	۷ء۸	۳ء۶	۵۴ء۰
سعودی عرب	۷ء۳	۵ء۵	۲۴ء۶
ایران	۶ء۴	۲ء۰	۶۹ء۰

ماخذ: انسانی ترقیاتی رپورٹ ۲۰۰۴ء، ادبر میسٹر، ۱۹۹۲ء، ص ۲۹

البتہ یہ امر قابل غور ہے کہ کل آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے اور سعودی خواتین کی شرح افزائش دنیا میں آج بھی چند سرفہرست ممالک میں ہے۔ شرح افزائش میں کمی خواتین کی تعلیم میں اضافے اور ان کی تجارتی سرگرمیوں میں شرکت سے ہوتی ہے۔ ۱۹۸۵ء سے ۱۹۹۷ء کے دوران لڑکیوں کی ثانوی سطح پر داخلے کی شرح ۳۱ سے ۵۷ فیصد ہوگئی، پہلی شادی کے وقت لڑکیوں کی اوسط عمر ۲۰۰۰ء میں ۲۲ سال اور تجارتی سرگرمیوں میں خواتین کی شرکت ۱۹۸۰ء کی دہائی میں ۱۰ فیصد سے بڑھ کر ۱۹۹۰ء کی دہائی کے اواخر میں ۲۳ فیصد ہوگئی۔ خاندانی منصوبہ بندی کے جدید طریقوں کا استعمال اب بھی کم یعنی ۱۹۹۰ء کے آخر میں ۲۰ سے ۳۵ فیصد تھا، لیکن ۱۹۸۰ء سے اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔ افزائش کی شرحوں پر ان تبدیلیوں کا اثر قابلِ ذکر اثرات سے کہیں کم ہے جس کی وجہ اس عمل میں حائل رکاوٹ سے متعلق غالب تناظری عوامل ہیں۔

ان تمام امور سے قطع نظر، آبادیاتی مسائل سے نمٹنے کے لیے سعودی حکومت کے پاس کوئی جامع حکمت عملی نہیں ہے۔ اس کی ایک وجہ سعودی حکومت کا آبادی کو اپنی لیبر فورس کی ضروریات کی تکمیل کے حوالے سے دیکھنا ہے۔ سعودی حکومت سعودی باشندوں میں افزائش کی شرح کو بلند رکھنے کی حوصلہ افزائی کرتی ہے (جیسا کہ ۲۰۰۴ء میں حکومت کے پاس خاندانی منصوبہ بندی متعارف کرانے کے لیے کوئی تعلیمی پروگرام نہیں تھا)۔ اس کے برعکس بچے پیدا کرنے پر خواتین کو مالی امداد فراہم کی جاتی ہے۔ تاہم سعودی عرب کے سیاسی اور مذہبی رہنما اس عام عقیدے کی تردید کرتے ہیں کہ خاندانی منصوبہ بندی کے اقدامات کو اسلامی تعلیمات قبول نہیں کرسکتیں۔ اس کا یہ جزوی اثر سامنے آ رہا ہے کہ اس طرح سیاسی اور مذہبی اشرافیہ، خواتین کو معاشی اعتبار سے کم نفع بخش بنا رہی ہے۔

سعودی خواتین کے لیے ملازمتوں کے مواقع قلیل ہیں اور فقط تعلیم اور صحت کے شعبوں تک محدود ہیں۔ البتہ گزشتہ دہائی سے نجی شعبوں میں بھی خواتین سامنے آ رہی ہیں۔ لیبر مارکیٹ اور سرکاری اسامیوں پر خواتین کا محدود کیا جانا دراصل اس عقیدے کا نتیجہ ہے کہ خواتین کا مذہبی اور روایتی اقدار پر

حاوی ہوجانے کا امکان ہے۔ سعودی عرب میں حکومتی اور سیاسی اداروں کا اتحاد، مذہب اسلام اور صنفی تعلقات، مضبوط عوامل ہیں جو خاندانی منصوبہ بندی کے عمل میں حائل ہیں۔ سرکاری اور مذہبی اداروں کے درمیان مضبوط سیاسی رشتہ اقتصادی حالات کے ملک کے آبادیاتی کردار پر اثر کو نمایاں طور پر محدود کر دیتا ہے۔

ایران

ایران میں پچھلی دو دہائیوں سے قدرتی طور پر آبادی میں اضافے کی شرح مسلسل کم ہو رہی ہے۔ ۱۹۶۶ء سے ۱۹۷۶ء کے دوران فطری شرح آبادی میں اضافہ ۲ء۷ فیصد رہا۔ اس سے اگلی دہائی میں یہ شرح ۲ء۳ فیصد رہی۔ تاہم ۱۹۸۰ء کی دہائی سے فی الحقیقت اس شرح میں مذہبی حکومت کے باوجود کمی دیکھنے میں آئی ہے۔ یہ طے ہے کہ گزشتہ دہائی (۱۹۹۰ء) میں بعض مسلمان ملکوں میں عورتوں میں صلاحیتِ پیدائش بھی کافی کم ہوئی ہے، مگر یہ بھی سچ ہے کہ مجموعی آبادی میں اضافہ جاری ہے اور بالخصوص سعودی خواتین میں صلاحیتِ پیدائش پوری مسلم دنیا میں بلند ترین ہے۔ اکیسویں صدی کے آغاز سے ہی قدرتی صلاحیت پیدائش میں اضافہ ۱۰۲ فیصد تھا۔ اس لیے کل شرح پیدائش (صلاحیتِ پیدائش میں اضافے) سے بھی یہی طریق کار جھلکتا ہے۔ تاہم یہ واضح ہے کہ ۱۹۸۰ء میں مسلط کی گئی خاندانی منصوبہ بندی کی سخت ترین پالیسی نے شرح پیدائش پر قابو پانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس وقت تک مشرق وسطیٰ میں ایران اس حوالے سے وسیع ترین دائرہ کار میں عمل درآمد کے ماحول کا حامی ہے۔ اس پالیسی کے مندرجات میں بنیادی اہمیت نظامِ حفظانِ صحت کو حاصل رہی ہے جس کے ذریعے مانع حمل ادویہ اور وسائل کی حوصلہ افزائی کا رجحان پایا جاتا ہے۔ البتہ جب خامنہ ای نے اقتدار سنبھالا تو یہ پالیسی ترک کر دی گئی اور اس کی وجہ یہ قرار دی گئی کہ اس میں مغرب کے اتباع کا پہلو نکلتا ہے۔ (یہ نقطۂ نظر پراپیگنڈے پر مبنی ہوسکتا ہے ورنہ درحقیقت آبادی پر کنٹرول کم کرنا ایران -عراق جنگ کے نتیجے میں ہونے والی افرادی قوت کی کمی کو پورا کرنے کی طویل المیعاد منصوبہ بندی کا

ایک حصہ تھا) بلکہ اس پورے عہد میں حکومت کی طرف سے شرح پیدائش اور پیداواری صلاحیت میں اضافے کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ البتہ ۸۰ء کی دہائی کے اختتام پر جب عراق اور ایران کی جنگ اختتام پذیر ہوئی تو یہ پالیسی دوبارہ شروع کردی گئی۔

۱۹۸۸ء میں آبادی سے متعلق پالیسی کے حوالے سے ایک قومی کانفرنس کا انعقاد کیا گیا جس کے نتیجے میں فیملی پلاننگ کا ایک پروگرام ۱۹۸۹ء میں ترتیب دیا گیا جس کی ایرانی مذہبی قیادت نے باضابطہ منظوری دی۔ اس کی توثیق امام خمینی نے ۱۹۸۹ء میں اپنے انتقال سے کچھ عرصہ قبل دے دی تھی۔

ایرانی فیملی پلاننگ کی کامیابی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ حکومت نے متعلقہ سروسز کی فراہمی ملک کے بڑے بڑے شہروں سے باہر بھی پوری باقاعدگی سے یقینی بنائی۔ اس طرح اس ضمن میں صحت کی سہولیات کا بڑا حصہ بھی دیہی علاقوں میں فراہم کیا گیا۔ اس طرح ایران میں ۵۵ فیصد شادی شدہ عورتیں، مانع حمل ادویہ اور دیگر ذرائع استعمال کرنے لگیں۔ اس سلسلے میں اسلامی حوالے سے باقاعدہ کورسز کروائے گئے اور نتیجہ ظاہر ہے کہ توقع سے کہیں زیادہ جلد مقاصد حاصل ہوئے۔

پروگرام کا ہدف ۲۰۱۱ء تک پیداوری صلاحیت کو کم کرکے ۴ء۰ بچے فی ماں تک لانا تھا مگر صرف ۲۰۰۰ء میں یہ شرح کم ہو کر ۲ء۰ رہ گئی۔ دراصل اس حوالے سے حکومت نے وہ تمام معاشرتی رکاوٹیں دُور کردیں جو ایرانی اسلامی معاشرے کا حصہ بن چکی تھیں۔ اس حوالے سے حکومت نے عوام کو باور کرایا کہ ضبط تولید کی سرگرمی اسلامی یا معاشرتی اقدار کی نفی نہیں کرتی۔ ۱۹۷۶ء سے لے کر ۱۹۹۵ء تک عورتوں کی تعلیم حاصل کرنے والی آبادی میں ۱۷ فیصد سے ۶۲ فیصد تک اضافہ ہوا مگر ۹۰ء کی دہائی کے اختتام تک ایران کی ۷۰ فیصد عورتیں کسی نہ کسی سطح پر تعلیم حاصل کررہی تھیں بلکہ ۰۳-۲۰۰۲ء سیشن کے دوران یونیورسٹیوں میں عورتوں کی تعداد مردوں سے بڑھ گئی۔ جب سے ایران میں یونیورسٹیاں وجود میں آئی ہیں، یہ شرحِ شمولیت کبھی حاصل نہیں کی جاسکی تھی۔

اس بحث کے نتیجے میں اس امر پر پھر سے غور کرنے کی ضرورت ہے کہ تشخیص آبادی کا عمل متواتر

اور مسلسل نہیں ہوسکتا۔

تشخیص آبادی کے حوالے سے فلسطین کا اجتماعی رویہ (بالخصوص مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی کے حوالے سے) ۱۹۶۸-۲۰۰۳ء

فلسطینی آبادی سے متعلق شائع ہونے والے بہت سے اعداد وشمار کی اشاعت کے باوجود ۱۹۶۷ء سے آج تک کے دور کے حوالے سے کوئی واضح اور تسلسل کی مظہر تصویر کشی ممکن نہیں ہوسکی۔ کیونکہ اس عرصے کے دوران فلسطین میں بالعموم اور مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی میں بالخصوص کوئی سرکاری اور قابل بھروسہ مردم شماری نہیں کی گئی۔ ایسے مقاصد کے حصول کے لیے اکثر sample poll کا طریقہ اختیار کیا جاتا رہا ہے (یعنی آبادی کا ایک مختصر گروپ لے کر رائے معلوم کی جاتی رہی)۔اور یہ کام بہت سی تنظیموں مثلاً اسرائیلی حکومت یا غیر ملکی این جی اوز کرتی رہی ہیں۔البتہ ۱۹۹۳ء کے بعد یہ کام فلسطین کے مرکزی بیورو برائے شماریات نے بھی کیا ہے۔اس میں بھی ۱۵۰۰۰ فلسطینی گھرانوں کے ۱۱۰۵۷۴ افراد سے رائے لی گئی جو ظاہر ہے پوری آبادی کا محض ایک حصہ ہے۔

اس مختصر نمونے کے باوصف مثبت تبدیلی مجموعی صلاحیت پیدائش (Total Fertality Rate) میں ہوئی ہے۔غزہ کی پٹی میں یہ صلاحیت مسلمان گھرانوں میں دنیا میں سب سے زیادہ رہی ہے (محققین نے اس پر غور نہیں کیا کہ تلوار کے نیچے سے بچی ہوئی قوم میں شرح پیدائش اور صلاحیتِ پیداواریت بہت بڑھ جاتی ہے) البتہ پورے فلسطین کے TFR میں معمولی سی کمی دیکھنے میں آئی ہے۔اس حوالے سے مغربی کنارے کی آبادی میں یہ عمل بتدریج، درمیانی رفتار سے مگر مسلسل رہا جبکہ غزہ کی پٹی میں اس کا انداز سائیکلک (کم،زیادہ کم،زیادہ) رہا ہے۔

غزہ کی پٹی میں فرٹیلٹی میں ۱۹۹۲ء تک مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔اس کی زیادہ سے زیادہ شرح ۸ء۱ بچہ فی ماں تک پہنچ گئی تھی۔۱۹۹۳ء کے بعد سے سست، بتدریج مگر مسلسل کمی ہوئی ہے۔فلسطینیوں میں بلند شرح صلاحیت پیدائش میں اضافے کی متنوع وجوہات نوٹ کی گئی ہیں۔جن امور نے دنیا بھر میں تشخیص آبادی میں تنوع کو ممکن بنایا ہے ان میں شادی شدہ والدین (مغرب کے لیے یہ ایک عجوبہ

ہے) مانع حمل ادویہ اور وسائل کا استعمال، خواتین کی تعلیم، ملازمتوں اور صنعتی کارکنان میں عورتوں کا تناسب اور بچوں میں شرح اموات شامل ہیں۔ اگر چہ براہ راست متغیرے(variables) فرٹیلٹی پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں تاہم زیادہ اہمیت معاشرتی، معاشی، سیاسی اور پس منظر سے متعلق دیگر متغیروں کو حاصل ہے اور ان متغیروں کا عمل دخل بھی بے حد پیچیدہ انداز میں ہوتا ہے۔ اوپن ہائیم میسن کے بقول:

> ''اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اس کا ادراک کر لیں کہ گروہِ آبادی میں فرٹیلٹی کو کم کرنے والے عوامل کا باہمی عمل دخل بے حد پیچیدہ ہے۔ اور کمی کے ہر مظہر میں مختلف عوامل کارفرما ہوتے ہیں''۔

اس ساری بحث سے ہمیں فلسطین کی آبادی میں اضافے کی مختلف وجوہات کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ اسی سے ہمیں پس منظر سے متعلق تعلق رکھنے والے عوامل کی شناخت اور ان کی تقویت یا تدارک میں آسانی میسر آ سکے گی جو تشخیص آبادی کے عمل میں مسلسل مشاہدہ کیے جا سکتے ہیں۔

☆☆☆